عائشہ سلطانہ سوز

کچھ زاہدہ حنا کے بارے میں

محمد علی صدیقی اور سکر تاپال کے ساتھ "باز دید" (ہندوستان و پاکستان کے افسانوں کا مجموعہ) کی ترتیب کے سلسلے میں میں نے مدیر معاون کی حیثیت سے کام کیا تھا۔ "بازدید" کے ساتھ ساتھ "Mapping Memories" بھی ترتیب دی جارہی تھی۔ اردو کے وہ تمام افسانے جو "بازدید" میں شائع ہو رہے تھے وہی "Mapping Memories" میں بھی ترجمہ ہو کر شائع ہونے والے تھے۔ کالج کے بعد "کتھا" کی آفس میں بیٹھ کر شام چھ بجے تک یہ کام جاری رہتا۔ اردو کے وہ تمام افسانے جو "بازدید" میں شائع ہونے والے تھے کتھا کی آفس میں بیٹھ کر میں سکر تا اور شومو کو پڑھ کر سناتی تھی (دونوں ہی اردو پڑھنا نہیں جانتے تھے) اور اس کے بعد وہ مترجمین کے پاس بھیج دیے جاتے۔ ایک دن میں ان لوگوں کو زاہدہ حنا کا افسانہ "پانیوں میں سراب" پڑھ کر سنا رہی تھی۔ اس کہانی کو پڑھتے ہوئے میں اس قدر متاثر ہوئی کہ کہانی ختم ہونے پر سکر تاپال سے میں نے بے اختیار کہہ دیا "سکرِ تا اس افسانے کا ترجمہ میں کروں گی" اور چوں کہ انگریزی زبان پڑھانے والوں کو کچھ احساسِ برتری ہے اس لئے مجھے علم تھا کہ وہ مجھے منع کر دیں گی۔ لہٰذا میں نے اپنے ساتھ رشمی گوند کی شمولیت کا ذکر کیا۔ مجھے بے حد خوشی ہوئی کہ اس افسانے کا ترجمہ کرنے کا کام میرے حوالے کیا گیا۔ بہر حال اس افسانے کے ترجمے کی تعریف و ستائش ہوئی۔ "باراں رحمٰن (دختر شمس الرحمٰن فاروقی) نے بڑے خوبصورت انداز میں اس ترجمے کا ذکر کیا ہے۔

اس وقت سے زاہدہ حنا کے اس افسانے نے میرے ذہن کے نہاں خانوں میں جگہ پالی تھی۔ "بازدید" کے شائع ہونے تک میں اکثر سکر تا سے کہتی رہتی تھی کہ میں اس افسانے پر ضرور کچھ لکھوں گی۔ وہ بھی چاہتی تھیں کہ میں اس افسانے پر تبصرہ کروں لیکن

مصروفیت کی بناپر میں اس سوچ کو تکمیل تک نہ پہنچا سکی اور زندگی کی تگ ودو میں الجھی رہی۔
ایک دن "ترسیل" (سہ ماہی رسالہ) میں سرورق پر زاہدہ حنا کی تصویر اور بڑے بڑے حروف میں ان کا نام لکھا ہوا دیکھا تو میں اپنے آپ کو روک نہ سکی اور ان کے دوسرے افسانوں کو بھی پڑھا جن میں "صرصر بے اماں کے ساتھ" اور "تتلیاں ڈھونڈنے والی" افسانوں نے بہت متاثر کیا اور میں نے زاہدہ حنا کے افسانوں پر تبصرہ کرنے کا مصمم ارادہ کرلیا۔ اسی دوران علی جاوید صاحب کی ادارت میں نکلا ہوا سہ ماہی رسالہ "اقدار" کا پہلا شمارہ نظر نواز ہوا اور جب اس کے لئے مجھ سے کچھ لکھنے کے لئے کہا گیا تو اس رسالے کی مناسبت سے میں نے اس افسانے کا انتخاب کیا۔

ہر انسان کی اپنی پسند و ناپسند ہوتی ہے۔ جس انداز اور نہج سے میں اس افسانے کو سمجھ رہی ہوں ہو سکتا ہے دوسروں کا زاویۂ نگاہ اس کے برعکس ہو۔ لیکن تنقید و تبصرہ کا حق ہر ایک کو ہے۔ میں نے اس افسانے کو جس نقطۂ نگاہ سے دیکھا سمجھا اور پرکھا ہے اسے یہاں بیان کرتی ہوں۔

اس سے پہلے کہ میں "پانیوں میں سراب" پر تبصرہ کروں ضروری سمجھتی ہوں کہ "زاہدہ حنا" کے بارے میں چند باتیں لکھوں۔ زاہدہ حنا کا نام کسی تعارف کا محتاج نہیں برصغیر کے افسانہ نگاروں میں ان کا نام مقبول و معروف ہے۔ "کل پچیس کہانیاں ہیں لیکن انھیں کے بل پر زاہدہ حنا پاکستان کی درجہ اوّل کی کہانی کار مانی جاتی ہے۔ روشن خیال پبلیشرز نے اس کی بارہ منتخب کہانیوں پر مشتمل سوا دو سو صفحات کا مجموعہ "قیدی سانس لیتا ہے" کے نام سے شائع کیا اور پاکستان کی دنیائے افسانہ میں کھلبلی مچادی۔ "ترسیل ص ۹ (مراٹھی اروند گوکھلے، ترجمہ یونس اگاسکر)

زاہدہ حنا کی پیدائش ۵ر اکتوبر ۱۹۴۲ء کو سسرام (بہار) میں ہوئی۔ ان کی ابتدائی تعلیم گھر ہی میں ہوئی۔ بعد میں عبدالحی حبیبی اور عارف شاہ گیلانی (جو ان کے پڑوسی تھے) کے کہنے پر ان کے والد نے انھیں اسکول بھیجنا شروع کیا۔ بچپن ہی میں ہندوستان سے پاکستان ہجرت کی۔ ان کا بچپن نہایت ہی عسرت میں گذرا۔ والد کے انتقال کے بعد تیرہ یا چودہ برس کی عمر میں ہی انھیں روزی وروٹی کی فکر کرنی پڑی۔ گرین روڈ اسکول میں پہلے چپراسن کی

نوکری کی اور بعد میں معلّمہ کی۔ پاکستان نیشنل بینک میں بھی کام کیا۔ ہفتہ وار اخبار "خواتین" روزنامہ "مشرق" اور "عالمی ڈائجسٹ" کے ذریعے صحافت کے میدان میں قدم رکھا۔ عالمی ڈائجسٹ ان کا اپنا رسالہ ہے۔ روشن خیال" کی مدیرہ ہیں۔ روزنامہ "جنگ" کی مستقل کالم نگاری کا فرض انجام دے رہی ہیں۔ اس دشت کی سیاحی میں تقریباً اکیس سال ہو گئے ہیں۔ ۱۹۷۰ میں انھوں نے جون ایلیا سے شادی کی۔ ان کے دو افسانوی مجموعے "قیدی سانس لیتا ہے" اور "راہ میں اجل ہے" منظر عام پر آچکے ہیں۔ "نہ جنوں رہا نہ پری رہی" تقسیم ہند کے موضوع پر لکھا ہوا ناولٹ ہے۔ ان کی متعدد کہانیاں مختلف زبانوں میں ترجمہ ہو چکی ہیں۔

زاہدہ حنا نے اگرچہ بچپن میں ہی ہندوستان سے پاکستان ہجرت کی تھی اور صرف ایک مرتبہ نو سال کی عمر میں وہ ہندوستان آئی تھیں لیکن آج بھی ہندوستان سے جڑی ہوئی ہیں ان کا کہنا ہے کہ

> "اگر بات کراچی کو جبراً ترک کرنے کی آجائے تو پھر میں نہ لاہور میں رہوں گی، نہ لندن میں، انتخاب میں اپنے شہر اور شہروں کا کروں گی جہاں سے میں آئی نہیں لائی گئی تھی۔ میں سہسرام، پٹنہ یا مونگیر میں رہوں گی" (ترسیل ص ۱۶۔۱۵)

اسی وابستگی کے باعث ان کے افسانے ہندوستانی ماحول اور مقامات سے جڑے ہوئے ہیں۔ وہ اکثر اپنے ماضی میں پہنچ جاتی ہیں اور تاریخی مقامات کا جب ذکر کرتی ہیں تو وہاں ہندوستانی مقامات، راجاؤں اور مہاراجاؤں کا ذکر ہوتا ہے۔ گنگا اور جمنا، رادھا اور شیام کا ذکر ہوتا ہے۔ اور ان کا ذکر کرتے ہوئے وہ دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو جاتی ہیں۔ "پانیوں میں سراب" اس افسانے میں بھی دلی، بمبئی اور ہندوستان کے تاریخی مقامات کا ذکر ملتا ہے۔ ان کے افسانوں کے کردار ہندوستانی گیت "اکیلی مت جیہو رادھے جمنا کے تیر" گنگناتے ہیں۔

عائشہ سلطانہ سوز

زاہدہ حنا کا افسانہ "پانیوں میں سراب"
ایک تجزیہ

"پانیوں میں سراب" یہ افسانہ تین کرداروں کے گرد گھومتا ہے۔ اس افسانے کا خصوصی کردار "میں" (راوی یعنی اس کہانی کی ہیروئن) دوسرا اظفر جو راوی کا شوہر ہے۔ تیسرا یوسف جوان دونوں کا بہترین دوست ہے۔ احسن اور صفیہ احسن (احسن کی بیوی) ضمنی کردار ہیں۔ کہانی کچھ اس طرح ہے کہ راوی، اظفر، یوسف، احسن اور صفیہ احسن تاریخی و مشہور مقامات کی سیر کر رہے ہیں کہ اچانک "راوی" لوحِ مزار پر لکھی ہوئی تحریر "عصمت پناہ" پڑھ کر ہنس پڑتی ہے اور اظفر سے کہتی ہے کہ "میری قبر پر بھی "عصمت پناہ" کندہ کروادینا" اور اس "عصمت پناہ" پر بات کرتے ہوئے یہ لوگ Chastity Belt کے قصے بیان کرنے لگتے ہیں۔ باتیں کرتے ہوئے یہ لوگ کنجھر جھیل کے قریب پہنچ جاتے ہیں اور پھر کشتی میں سوار ہو کر کنجھر جھیل کی سیر کرتے ہیں۔ ہنسی مذاق اور باتوں کے درمیان راوی اپنے خیالات میں محو ہو جاتی ہے اور محویت کے عالم میں ماضی اور حال میں پہنچ کر اپنے آپ کو تلاش کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ وہ اظفر اور یوسف کے درمیان رہ کر رشتوں کو نبھاتی ہوئی دوہری زندگی گذارنے سے پریشان اور بیزار ہو گئی ہے۔ وہ کسی ایک مرد کی ہو کر رہنا چاہتی ہے اور آخر میں وہ تمنا کرتی ہے کہ وہ ان دونوں سے ہی نجات حاصل کرلے۔ افسانے کی ابتداء میں راوی کا "عصمت پناہ" پڑھ کر ہنسنا گویا طنز ہے اس سماج پر جو کھوکھلی باتوں پر مرتا ہے یا جان دیتا ہے۔

> "اور جب چلتے چلتے رک کر میں نے ایک قبر کا کتبہ پڑھا تو
> ٹھٹھک گئی تھی، لوح مزار پر لکھا تھا:
> "بہ تاریخ بیست ششم ذی الحجہ ۱۰۸۲ھ عصمت پناہ جہاں دگم

فوت شد۔'

اس لمحے مجھے خیال آیا کہ میری لوح مزار پر "عصمت پناہ" کا
لفظ کس قدر سجے گا؟ اور اسی لئے میں نے ہنس کر اظفر سے
کہا تھا "میری لوح مزار پر بھی عصمت پناہ کندہ کروا دینا۔"

("بازدید" ص ۱۲۷)

زاہدہ حنا کے افسانوں میں اپنے سماج، اپنے ماحول سے بغاوت کا احساس ملتا ہے۔ ان کے افسانوں کے اکثر و بیشتر کردار یا تو بغاوت پر آمادہ نظر آتے ہیں یا پھر استحصال اور پامالی کا شکار اس افسانے کی عورت استحصال اور پامالی کا شکار نظر آتی ہے۔ ایک ایسی عورت جو مرد کے ظلم کے خلاف آواز اٹھانا چاہتی ہے لیکن آواز اٹھا نہیں سکتی۔ وہ مر مر کے جینے کے لئے مجبور ہے۔ وہ عورت جو آس ماحول سے رہائی حاصل کرنا چاہتی ہے لیکن اسے نجات کی کوئی راہ نظر نہیں آتی۔

اظفر ایک ایسا کردار ہے جو صرف پیسہ کمانے یا دولت حاصل کرنے کو اہمیت دیتا ہے۔ اسے بزنس کانٹریکٹس اور ان کی میٹنگز سے ہی فرصت نہیں ہے۔ اس کے پاس اپنے رشتہ داروں اور بیوی کے لئے کوئی وقت نہیں ہے۔ اسے نہ ہی اس بات کی فکر ہے اور نہ احساس کہ وہ اپنے گھر اور بیوی سے دور ہوتا جا رہا ہے۔ اظفر کا کردار مشرقی ممالک سے وابستہ ایک عام مرد کا کردار ہے۔ خصوصاً ہندوپاک کی سر زمین پر سانس لینے والے مرد کا جس کے لئے عورت (بیوی) صرف ایک ضرورت ہے اس کے بعد اس کا وجود بے معنی ہے۔ اسے اس بات سے ذرا بھی سروکار نہیں ہے کہ اس کی بیوی کیا چاہتی ہے۔ وہ کس طرح زندگی گذار رہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اظفر اپنی بیوی کو کبھی سمجھ نہیں پایا۔ اس نے اسے سمجھنا ضروری بھی نہیں سمجھا۔ اس لئے کہ اس کے نزدیک عورت کا وجود ایسا ہی ہے جیسے گھر میں رکھا ہوا فرنیچر یا صرف گھر کی زیب و زینت اور عیش و آرام کا سامان۔ اظفر ایک ایسا کردار ہے جو دوسروں کو تڑپتا دیکھنے میں لذت محسوس کرتا ہے، چاہے وہ مچھلی ہو یا عورت!

"میرے عقب میں آواز ہوئی تو میں نے گردن گھما کر دیکھا۔
کنارے کے قریب اظفر نے ایک مچھلی پکڑی تھی اور اب

وہی کشتی کے فرش پر تڑپ رہی تھی۔ یہ اسی کے تڑپنے پھڑکنے کی آواز تھی۔

"اظفر پلیز! اسے پانی میں پھینک دو" میں نے بیتابی سے کہا۔

"بمشکل تمام ایک تو ہاتھ آئی ہے اور تم کہہ رہی ہو کہ اسے واپس پھینک دوں، جواب نہیں ہے تمہارا بھی۔" اظفر کی آنکھوں میں مچھلی کو تڑپتے دیکھ کر لذت کی ایک لکیر کھنچ گئی۔" (بازدید۔ ص ۱۱۹)

ایک بے بس عورت اس سے زیادہ اور کیا سوچ سکتی ہے۔

"کافی گھونٹ گھونٹ کر کے پیے جانے کے لیے ہے۔ سموسے لقمہ لقمہ کر کے کھائے جانے کے لئے ہیں۔ اور میں اس لیے ہوں کہ دن میں ہجر کا عذاب مجھے پانی کرے اور میں اس لیے ہوں کہ رات آئے تو میرے مجازی خدا کے بدن کی سرشاری کا گدھ میرے وجود کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے کھائے۔ مجھ سے اچھی تو یہ کافی ٹھہری جو ایک لمحے میں پی لی جاتی ہے اور معدوم ہو جاتی ہے۔ مجھ سے بہتر تو سموسے کا یہ لقمہ ہے جسے صرف ایک مرتبہ چبایا جاتا ہے اور پھر نجات پالیتا ہے۔ ہر رات مجھے چباتی ہے اور میں ختم نہیں ہوتی ہر دن مجھے پیتا ہے اور میں موجود رہتی ہوں۔"

(بازدید ص ۱۱۹)

اس افسانے کی کہانی ایک ایسی عورت کی زندگی کی کہانی ہے جو پانیوں میں رہنے کے باوجود ایک ایسے سراب کی متلاشی ہے جو اس کی پیاس کو بجھا سکے۔ "پانیوں میں سراب" سے یہاں مراد ہے دو مردوں سے رشتہ و ربط قائم ہونے کے بعد بھی ایک عجیب سی تشنگی۔۔ اور وہ تشنگی ہے کسی ایک مرد کی ہو کر رہنا۔ یہاں تشنگی سے مراد ہے سکون ہے۔ جو اس عورت کو حاصل نہیں۔ اور اسی تشنگی کو بجھانے کے لئے اس عورت کو "سراب کی تلاش"

ہے۔ اور اس پیاس کو بجھانے کی نہ اظفر کو فکر ہے اور نہ یوسف کو ہمت۔ اظفر جو اس کا شوہر ہے لیکن وہ پیسے کے پیچھے بھاگ رہا ہے۔ جو اسے نہیں سمجھتا۔ جس کے خیالات اس کے خیالات سے میل نہیں کھاتے۔ دوسرا یوسف جو اس سے محبت کرتا ہے جس کے خیالات اس کے خیالات سے بہت ملتے ہیں۔ جس کی علم اور فہم و فراست اور دوستانہ و مخلصانہ رویے سے وہ متاثر ہو گئی تھی، جو اس کے شوہر کا بچپن کا دوست تھا۔ ایک ایسی عورت جو اپنے شوہر سے وفا چاہتے ہوئے بہت دور نکل گئی۔ لیکن اس میں بھی وہ عورت قصوروار نہیں بلکہ ان سب کا ذمہ دار اس کا شوہر ہے، جس کے پاس اپنی بیوی کے لئے وقت نہیں ہے۔ جو اسے ایک مرد کے ساتھ تنہا چھوڑ کر خود بزنس کے بکھیڑوں میں الجھا رہا۔

"ہم تینوں دلی پہنچے اور اظفر حسبِ معمول مجھے ہوٹل میں چھوڑ کر بمبئی چلا گیا۔ وہ مایا موہ میں پھنسا تھا اور اس جال سے نکلنا اس کے بس کی بات نہ تھی۔

یوسف اور میں ہم دونوں دلی کے گلی کوچوں میں گھومتے رہے۔ قلعے، مسجدیں، مزار، دروازے، باؤلیاں، کونسی جگہ تھی جو ہم نے چھوڑی۔ کونسا ویرانہ تھا جو ہم نے آباد نہ کیا۔ ہم جمنا گئے، ہم گھاٹ کی سیڑھیاں اترے اور ایک دوسرے کے پہلو بہ پہلو بیٹھ گئے۔ دوپہر کا گرم سورج ہمارے سروں پر تھا۔ ہر طرف ویرانی تھی، سناٹا تھا اور شاید یہ ویسا ہی کوئی لمحہ تھا جب خدا کی روح پانیوں پر جنبش کرتی تھی۔

۔۔۔ہم اپنے تمام باطنی عذابوں اور ثوابوں، نادانیوں اور پشیمانیوں کے ساتھ ایک دوسرے کے سامنے عریاں تھے۔ آدم و حوا کی طرح جب انہوں نے شجر ممنوع کا پھل کھایا تھا اور برہنہ تن ہو گئے تھے۔ ہم دو نہ تھے، ہم جدا نہ تھے۔ ہم بہت دنوں سے ایک دوسرے کو دوستی کے نام پر اور خلوص

کے نام پر دھوکا دیتے رہے تھے۔ وہ ایک لمحہ ہر بات بدل گیا، ہر شے منقلب ہو گئی، نہ تو تو رہا نہ تو میں رہا، وہ عجب گھڑی تھی کہ جس گھڑی لیا درس نسخۂ عشق کا۔" (بازدید۔ ص ۱۲۳)

راوی (اس کہانی کی ہیروئن) جو اظفر کی بیوی ہے اور یوسف کی دوست۔ اس دوغلی زندگی سے اس قدر تنگ آگئی ہے کہ وہ آرزو کرتی ہے کہ اس کے Chastity Belt کی چابی یوسف سے بھی گم ہو جائے۔ اس آرزو میں اس عورت کا وہ تمام درد و کرب اور بے بسی پنہاں نظر آتی ہے۔

"اکثر میرا جی چاہتا کہ میں وقت میں پیچھے چلی جاؤں لیکن واپسی کا سفر ممکن نہیں۔ میرا جی چاہتا ہے یوسف سے پوچھوں کہ تم یہ کب تک چھپاؤ گے کہ Chastity Belt کی چابی تمہارے پاس ہے؟ میں کسی ایک مرد کی ہو کر رہنا چاہتی ہوں۔ کشتی کنارے کی طرف جارہی ہے لیکن میں کنارے کی طرف نہیں جاسکتی۔ مجھے پانی کی بیچوں بیچ کھڑے رہنا ہے اور اس دن کا انتظار کرنا ہے جب چابی یوسف سے بھی گم ہو جائے۔ اظفر تو اسے گم کر ہی چکا ہے۔" (بازدید۔ ص ۱۲۷)

زاہدہ حنا نے اس افسانے میں نوری جام تماچی کے مزاروں کا ذکر کر کے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ آج کے مرد سے کم از کم پرانے زمانے کا وہ مرد زیادہ اچھا تھا جو سماج سے بغاوت کر کے محبت کی ایک بے مثال یادگار تو چھوڑ جاتا تھا۔ لیکن آج کا مرد یوسف کی طرح تجرباتی ذہن لئے ہوئے ہے جو دوست کو بھی ناراض نہیں کرنا چاہتا (در پردہ سماج سے بھی خائف ہے) اور دوست کی بیوی سے تعلقات بھی رکھے ہوئے ہے۔

الغرض دو مردوں اور ایک عورت کی زندگی کا احاطہ کرنے والا یہ افسانہ محبت کا مثلث نہیں بناتا ہے جو عموماً اردو افسانوں کا موضوع رہا ہے۔ بلکہ یہ مردوں کے اس سماج کی عکاسی کرتا ہے جہاں پر عورت کی زندگی ان کے لئے کوئی معنی نہیں رکھتی۔ معانی رکھتے ہیں

اخلاقی اقدار اور دولت کی ہوس۔ اظفر جو بیوی کی محافظت کو ضروری نہیں سمجھتا۔ جسے دولت کے حصول کی تمنا اور ہوس لا تعلق بنا دیتی ہے۔ دوسرا مرد ہے یوسف جو کمزور اور بزدل مرد ہے۔ جو عورت سے تعلق تو رکھتا ہے لیکن اس کے لئے ڈھال نہیں بن پاتا۔ اس کے اخلاقی اقدار دوست کی غیر موجودگی میں اس کی بیوی کے ساتھ ربط رکھنا تو جائز سمجھتے ہیں لیکن وہ اس کے سامنے اپنے اس ربط و تعلق کا اظہار کرنے سے ڈرتا ہے اور وہی مرد جو انٹر نیشنل شہرت کا مالک ہے، جو دنیا کے کئی ممالک کی سیر کر چکا ہے، وہ اپنے اس چولے سے باہر نہیں نکل پایا ہے۔ وہ منافق و ریاکار ہے اور اسی ریاکاری کی وجہ سے وہ اپنے اندر کے کمزور، بزدل اور ڈرپوک مرد کو اخلاقی اقدار کے پردے میں چھپالیتا ہے۔ سماج سے بغاوت کرنا تو دور کی بات وہ کھل کر سامنے بھی آنا نہیں چاہتا جب کہ ایک عورت جسے سماج کمزور اور ناقص العقل کہتا ہے اس میں اتنی ہمت ہے کہ وہ سماج سے بغاوت کرے۔ زاہدہ حنا نے مردوں کے اس سماج پر زبردست طنز کیا ہے۔

> "میں زمین تھی، ٹھوس، پتھریلی، اپنی جگہ اٹل اور وہ آسمان تھا محض خلا، آنکھ کا دھوکا۔ میں عورت تھی، کمزور بے بضاعت، میں اس کے لئے کسی بھی انتہا تک جا سکتی تھی لیکن یوسف مرد تھا، بہادر، جی دار اس لیے کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ لوگ کیا کہیں گے، بچوں کا کیا ہوگا، اظفر پر کیا گزرے گی۔ وہ دنیا کے تمام بر اعظم گھوم آیا، دنیا بھر کی دولت اس نے اکٹھی کر لی۔ انٹر نیشنل سیلے بریٹی بن بیٹھا لیکن متوسط طبقے کی اخلاقی اقدار اس کے اندر اپنے پنجے گاڑے بیٹھی تھیں۔ وہ دوست کی لاعلمی میں اس کی بیوی کو شیئر تو کر سکتا ہے لیکن اس بات کا تصور بھی نہیں کر سکتا کہ اظفر کا سامنا کرے اور اسے ایما نداری کے ساتھ اپنے اور میرے نفس کی حالت سے آگاہ کرے اور پھر فیصلہ اس پر چھوڑ دے۔۔۔" (بازدید ص ۱۲۴)

Scanned by CamScanner

یہ افسانہ متوسط طبقے سے تعلق رکھنے والے ایک ایسے سماج کی پردہ دری کرتا ہے جو بظاہر تو بہت ترقی پذیر ہو چکا ہے لیکن آج بھی وہ گھن لگا ہوا، سڑا گلا اور کھوکھلا ہے۔

زاہدہ حنا کا یہ افسانہ کہانی اور فن کے اعتبار سے ایک عمدہ افسانہ ہے۔ اس افسانے کی زبان کو انھوں نے خوبصورت تشبیہات واستعارات اور عمدہ انداز تحریر کے ذریعے پر لطف بنا دیا ہے۔ تشبیہات واستعارات کا استعمال ان کے افسانوی فن کو مجروح کرنے کے بجائے اس کے حسن کو دوبالا کر دیتا ہے۔

سہ ماہی

اقــدار

زندگی آمیز و زندگی آموز ادب کا نمائندہ

(ادبی کتابی سلسلہ)

رائٹرز گلڈ (انڈیا) لمیٹڈ، ۲۲ر غالب اپارٹمنٹس، پیتم پورہ۔ دہلی۔ ۱۱۰۰۳۴

سہ ماہی
اقدار
دہلی
مدیر
علی جاوید